سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن ہند نمبر ۸۰۵

مذہب شیعہ ایک نظر میں

مصنفہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ

امامیہ مشن (الہند) علی گڑھ

امامیہ مشن کی اعانت، ممبری قبول فرما کر، مشن کے مطبوعات خرید فرما کر، نیز عطیات دے کر فرمائیں۔

حسینی فنڈ کے کوپن خرید کر مشن کی اعانت فرمائیں اور ناصرانِ امامِ مظلوم میں شامل ہوں۔

الداعی الی الخیر
آنریری جنرل سکریٹری
امامیہ مشن
امامیہ ہال، نیشنل کالونی
علی گڑھ

تعارف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امامیہ مشن کا سلسلۂ اشاعت ۵۸۸، سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ کا مقالہ، مذہب شیعہ ایک نظر میں ہے۔ جس کی اشاعت محرم الحرام ۱۳۹۰ھ میں مجاہد ملت سید ابن حسین نقوی مرحوم سابق سکریٹری امامیہ مشن کے اہتمام میں ہوئی تھی، اس مقالہ کی ضرورت اُس وقت میں بھی بڑی شدت سے محسوس کی گئی تھی اور اب بھی محسوس کی جا رہی ہے جبکہ یہ رسالہ نایاب ہو چکا ہے۔ یہ مذہب حقۂ شیعہ سے ناواقف حضرات کو واقف بنانے کے ساتھ ساتھ شیعہ بچوں کی دینی تعلیم میں بے حد کارآمد ہے۔

اس مقالہ میں سرکار مرحوم نے نہایت اختصار کے ساتھ لیکن جامع اور مانع طور پر اصولِ دین و فروعِ دین کو بیان فرمایا ہے۔ خاص طور پر "مذہب شیعہ کے خصوصیات" (عقائد کے لحاظ سے) بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

بزرگ ملت محترمی سید آفاق حسین صاحب رضوی سابق سیکریٹری امامیہ مشن قابل مبارکباد ہیں کہ اس رسالے کی دوبارہ اشاعت کے سلسلہ میں باوجود پیرانہ سالی کے آپ سال بھر سے زیادہ سے سرگرم عمل تھے، آپ ہی کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں عزت مآب جسٹس مرتضیٰ حسین صاحب نے مقدمہ تحریر

فرمایا جو جسٹس صاحب کی دینی معلومات اور دینی شغف کا آئینہ دار ہے۔

مشن جناب سید فرقان علی عرف ضیغم صاحب ابن سید قدرت علی صاحب مرحوم ساکن سید واڑہ، صفی پور، اناؤ کا مشکور ہے کہ انھوں نے اپنے مرحوم بزرگوں کے ایصال ثواب کے لئے اس رسالے کی طباعت کے جملہ مصارف برداشت کرنے کی پیشکش کی۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔ یہ ایک بہت ہی مستحسن عمل ہے یہ صدقۂ جاریہ ہے جن حضرات کے ہاتھوں میں یہ رسالہ جائے گا وہ مرحومین کے لئے ھدیہ فاتحہ کیساتھ دعائے مغفرت بھی کرینگے۔

بے محل نہ ہوگا اگر اسوقت اس سمت میں پہلا قدم اٹھانے والے الحاج ڈاکٹر سید ساجد رضا صاحب نائب صدر امامیہ مشن کا ذکر خیر بھی کر دیا جائے جنھوں نے اپنے والد ڈاکٹر سید محب رضا صاحب مرحوم کے ایصال ثواب کیلئے مرھمناؔ ذاکری کی طباعت کے کل مصارف برداشت کر کے مشن کے مالی استحکام میں تعاون فرمایا۔

آخر کلام میں مخیر حضرات سے گذارش ہے کہ وہ بھی اپنے مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لئے مشن کے مفید و نایاب لٹریچر کی طباعت میں مالی معاونت فرما کر عند اللہ و عند الرسول ماجور ہوں۔

برائے ایصال ثواب بہ ارواح

(۱) میجر سید رونق علی صاحب مرحوم ابن سید حشمت علی صاحب مرحوم

(۲) نقیبہ بیگم صاحبہ مرحومہ زوجۂ میجر سید رونق علی صاحب مرحوم

(۳) جناب سید عاشق علی صاحب مرحوم ابن سید حشمت علی صاحب مرحوم

(۴) جناب سید قدرت علی صاحب مرحوم ابن سید عاشق علی صاحب مرحوم

(۵) مہر النساء بیگم صاحبہ مرحومہ زوجۂ سید قدرت علی صاحب مرحوم

مرحومین کے لئے سورۂ فاتحہ کی درخواست ہے۔

الداعی الی الخیر:۔ سید تفسیر الحسن نقوی آنریری جنرل سیکریٹری امامیہ مشن علی گڑھ

۲۷ مئی ۱۹۹۰ء

مقدمہ

عزت مآب جناب مرتضیٰ حسین صاحب

"مذہب شیعہ ایک نظر میں" آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ طاب ثراہ کے سے بلند نظر مفکر اور مستند صاحب قلم کی سینکڑوں تصنیفات میں سے ایک مختصر مگر انتہائی جامع مقالہ ہے جس میں شیعت کے بنیادی عقائد نیز اصول و فروع دین ایک کوزے میں دریا کی مانند سمیٹے گئے ہیں۔ سید العلماء مرحوم نے یہ مقالہ قریب بیس سال قبل تحریر فرمایا تھا۔ ۱۳۹۰ ہجری میں اسے امامیہ مشن لکھنؤ کی جانب سے شائع کیا گیا تھا مگر اب وہ کہیں ڈھونڈھے سے بھی نہیں ملتا۔ اس کی افادیت کے پیش نظر اس کی دوبارہ اشاعت ہو رہی ہے، میں اسے اپنی خوش نصیبی کے سوا اور کیا کہوں کہ محترمی ڈاکٹر سید آفاق حسین صاحب نے مجھے یہ سعادت بخشی ہے کہ مجوزہ جدید ایڈیشن کے لئے میں کچھ ابتدائی کلمات لکھنے کی جسارت کروں۔

تاریخ بشریت شاہد ہے کہ اللہ کی لمبی چوڑی زمین پر انسانی قافلوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ازل سے قائم ہے اور ابد تک جاری رہے گا، ان ہی آنے جانے والوں میں کبھی کبھی کوئی ایسا بھی آتا ہے جس کا وجود فلک کی برسوں کی گردش اور نرگس کی ہزاروں سال اپنی بے نوری پر گریہ و زاری کا نتیجہ ہوتا ہے، ایسی ہی زندگیاں انسانی حافظے کا قیمتی سرمایہ بن جاتی ہیں۔ سید العلماء مرحوم کا شمار ان ہی کبھی کبھی پیدا ہونے والے انسانوں میں ہے۔ وہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک

مسندِ اجتہاد کی زیب و زینت رہنے کے علاوہ سپہرِ خطابت کے تابناک آفتاب میدانِ علم و عمل کے بے عدیل شہ سوار اور مملکتِ تصنیف و تالیف کے بے نظیر حکمراں رہ چکے ہیں۔ اسلامیات، شیعیت، نشرِ حسنیت اور تبلیغ حقائق و رموزِ کربلا پر لکھی ہوئی لاتعداد کتابیں اور کتابچے ان کی عالمانہ عظمت اور حکیمانہ موعظت کی گواہ ہیں، ان میں سے کچھ تصنیفات تو اپنے موضوع پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہیں۔

شیعیت اسلام سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ اسلام ہی کی نکھری ہوئی شکل ہے۔ سید العلماء مرحوم کے الفاظ میں "شیعیت نام ہے دین اسلام کو اس کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کے ساتھ اختیار کرنے کا"۔ شیعوں کے بنیادی عقائد وہی ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں البتہ بعض امور بالخصوص جانشینی ختم المرسلین، خلافت و امامت، غیبتِ امام عصرؑ۔ عدلِ خداوندی وغیرہ میں اُن کے عقائد جمہورِ اسلام کے تصوّرات سے الگ ہیں۔ شیعیت کی ابتدا کے بارے میں آیتہ اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء "اصل و اصول شیعہ" میں رقم طراز ہیں کہ تشیع کوئی نیا مذہب نہیں جہاں سے اسلام شروع ہوتا ہے وہیں سے شیعیت کی بھی ابتدا ہوتی ہے، چمن آرائے شریعت یعنی سرکار خاتم الانبیاءؐ نے اسلام کے ساتھ ہی ساتھ اپنے ہی ہاتھوں یہ پودا لگایا۔ آبیاری کی اور خود حضور ہی اس کی نگہداشت فرماتے رہے، پودا بڑھ کر ہرا بھرا درخت ہوا اور رسولِ مقبول کی زندگی ہی میں پھولنے بھی لگا مگر پھلنے نہ پایا تھا کہ چراغِ نبوت گُل ہو گیا"۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالبؑ اپنی ولادت کے وقت ہی سے سرورِ کائناتؐ کی شفقتوں اور الطافِ کریمانہ

کے مرکز تھے۔ سرکار دو عالمؐ خود ارشاد فرماتے تھے کہ جو علم مجھے خدا سے ملا وہ سب کا سب میں نے علیؑ کو دیدیا۔ دعوت ذوالعشیرہ سے غدیر تک کے مسلسل واقعات بتاتے ہیں کہ رسولؐ علیؑ کو اپنا جیسا بنارہے تھے اور علیؑ ہر منزل پر رسولؐ کی توقعات پر پورا اتر رہے تھے، ان حالات میں کچھ حوصلہ مندوں کا علیؑ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنا اور چاہنے والوں میں جذبات جاں نثاری کا ابھرنا بالکل قرین قیاس ہے چنانچہ عہد رسالت ہی میں بزرگ اصحاب کا ایک گروہ مولائے کائنات کے ساتھ وابستہ ہوگیا تھا جن میں سے ہر ایک مولا علیؑ کو اپنا روحانی پیشوا۔ تعلیمات رسولؐ کا پیکر، قرآن کا معتبر مفسر اور اسرار نبوت کا حقیقی شارح تسلیم کرتا تھا، یہی لوگ شیعیان علیؑ کہے جانے لگے۔ اس کا ثبوت سرور کائناتؐ کے وہ ارشادات ہیں جن میں علیؑ اور ان کے دوستوں کے انجام اخروی کی بشارت ہے۔ اس کے علاوہ جن متفقہ الیہ احادیث میں رسول خدا نے مولا علی اور اہلبیت اطہار کا انفرادی و اجتماعی طور پر تعارف کرایا، ان کے اور ان کے دوستوں کے مدارج و مراتب بیان فرمائے اور مومن و منافق کی شناخت کے اصول مرتب کئے ان میں صرف فضائل نہیں بلکہ مکتب شیعیت کے قیام و حقانیت اور اس کے سربراہوں کی واضح نشاندہی بھی ہے۔ پیغمبر ختمی مرتبتؐ کی رحلت کے بعد جب دنیا والوں نے علیؑ اور اہلبیت رسالت کو پس پشت ڈالا تب شیعیان علی کی انفرادیت اور ابھری اور ان کی تعداد بڑھتی رہی، زمانہ کروٹیں لیتا رہا، جبر و استبداد کی حکومتیں زور آزمائی کرتی رہیں ظلم و ستم کے ترکش خالی ہوتے رہے مگر شیعیان علی جادۂ حق پر جمے رہے، اہلبیت رسولؐ کی محبت ہر پر آشوب دور میں ان کی شمشیر بھی رہی اور سپر بھی۔ ایک حربہ جو مخالفین شیعیت نے ہمیشہ شیعوں کے خلاف استعمال کیا وہ تھا ان کے عقائد کو توڑ مروڑ کر انھیں ہدف ملامت بنانا، آج کے

ترقی یافتہ دور میں بھی کہیں کہیں سے تکفیرِ شیعیت کا نعرہ بلند ہوتا رہتا ہے اسی لئے ہمارے آئمہ طاہرین نے اپنے زمانے میں اور فرض شناس علماء اور مجتہدین نے ہمیشہ اپنی صلاحیتیں شیعیت کے دفاع میں صرف کیں۔ سید العلماء مرحوم بھی اسی بالغ نظر صاحبانِ علم کے سلسلے کی ایک کڑی تھے، شیعیت ان کا عقیدہ و مسلک ہی نہیں انکی فکر و نظر کا وہ محور تھا جو انھیں اپنے اسلاف سے ورثہ میں ملا تھا اور وہ اسے ایک گرانقدر امانت کی طرح کلیجے سے لگائے رہے۔

سید العلماء کے مورثِ اعلیٰ غفران مآب مولوی دلدار علی صاحب اعلی اللہ مقامہ نے شاہانِ اودھ کے زمانے میں تقریباً ۳۵ سال خدمتِ دین اور تبلیغ شیعیت میں صرف کئے تھے۔ فقہ، اصولِ فقہ اور علم الکلام پر انھوں نے قریب دو درجن کتابیں لکھیں جو ہمیشہ نگاہِ اعتبار سے دیکھی گئیں۔ اپنے عقائد کی تبلیغ کے علاوہ دیگر عقائد کے رد میں انھوں نے مراۃ العقول پانچ جلدوں میں تحریر فرمائی تھی، اس تصنیف کے حوالہ سے عراق کے نامور عالم اور فقیہ شیخ محمد حسن نجفی مؤلف جواہر الکلام فرماتے ہیں۔

"مراۃ العقول (الملقب بہ عماد الاسلام) جس کے مصنف ہیں اسلام کے رکنِ اعظم اور خلقِ خدا پر خدا کی حجت جنہوں نے عقول کو اپنی موشگافیوں سے حیران کر دیا اور عقلی تشبیہوں کو اپنی فکر و نظر کے ستاروں سے روشن کر دیا"

علامہ شیخ احمد یمنی جناب غفران مآب کے تبحرِ علمی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"آپ کی مہارت علم اصول میں جعفری۔ آپ کا احاطہ فروعِ مسائل میں یوسفی۔ آپکی درایت فہم حدیث میں باقری۔ آپکی تحریر تفسیر میں حقائق کی پردہ در اور دقیق نکتوں کو واضح کرنیوالی ہے، کون آپ کی ہمسری کر سکتا ہے؟، اگر علامہ حلی آپ کو دیکھتے تو آپکی مدح کرتے اور اگر مجلسی و مفید آپکے مفید مجالس درس میں حاضر ہوتے تو بحار الانوار کو

آپکے دریائے علم کے پہلو میں حقیر سمجھتے، اللہ اکبر کس قدر علوم و فنون میں آپکا حصہ بلند اور مقام رفیع ہے"

امام حسینؑ کی عزاداری شیعیت کی جان و روح ہے۔ جناب غفران مآب نے واقعات کربلا کے متعلق معتبر روایات آثارۃ الاحزان کی شکل میں مجتمع کیں اور حکومت نیز عوام میں عزاداری کا صحتمندانہ رجحان اُبھارا۔ ڈاکٹر سید صفدر حسین نے "لکھنؤ کی تہذیبی میراث" میں شاہان اودھ کے عزاداری میں انہماک کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

"عزاداری کے اس رُجحان کو مولانا دلدار علی نے بہت تقویت پہونچائی، انھوں نے غیر شرعی اعمال و افعال کو درست کیا اور سامانِ عزا میں سے اُن چیزوں کو خارج کر دیا جو وقارِ غم کے منافی تھیں۔ چنانچہ شہنائی، روشن چوکی اور ماہی مراتب کو جلوس عزا میں شامل کرنے سے منع کیا۔ جانوروں کی تصویر اور ان کے مجسموں کو استعمال کرنے سے روکا۔ بانک اور پٹے کو خلافِ متانت و وقار ٹھہرایا جنگی باجے کی اجازت دی۔ مہندی، علم، تعزیوں اور ذوالجناح کی شمولیت سے شانِ جلوس بڑھائی۔"

جناب غفران مآب کے گھرانے میں اتنے مجتہد پیدا ہوئے کہ اُس کا نام ہی خاندان اجتہاد ہو گیا، اُن کے پانچوں فرزند "میرے گوہر تمام یکدانہ" کے مصداق مسندِ علم و فضل پر متمکن رہے۔ ہر ایک نے متعدد کتابیں شیعیت کے دفاع اور دیگر علوم و مضامین پر لکھیں مگر ان میں سے دو یعنی سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ رضوان مآب اور مولانا سید حسین صاحب قبلہ علیین مکان زیادہ معروف و نامور ہوئے، سلطان العلماء کے بارے میں مفتی محمد عباس صاحب مرحوم نے اوراق الذہب میں لکھا ہے کہ

"آپ حکمتِ الٰہیہ جاننے والوں کے مقتدا اور مجتہدین کے نقطۂ آخر ہیں، اُنکی نشو و نما کیساتھ دین نے نشو و نما پائی اور اُنکی سربلندی کیساتھ دینِ الٰہی سربلند ہوا۔ خدا نے انکے چہرے میں حُسن، کلام میں نمک اور الفاظ میں فصاحت عطا کی ہے، انکی صحبتیں بہشت ہیں جہاں لغو اور غیر مشروع باتوں کا گذر نہیں۔۔۔"

اُن عظمتوں کے حامل سلطان العلماء نے اپنے چھوٹے بھائی جناب علیین مکان کے بارے میں فرمایا ہے کہ

"والد ماجد غفران مآب کی اولاد میں سے اخوی علیین مکان مولوی سید حسین طاب ثراہ جامع علوم عقلی و نقلی اور حاذق علوم دینی مانند تفسیر و حدیث و فقہ و اصول دین میں ایسے ہیں کہ ایکہزار شاگرد اُن کے ہندوستان میں موجود ہوں گے۔"

سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب مرحوم کا تعلق جناب غفران مآب کے ان دو عظیم المرتبت فرزندوں کی نسل سے تھا۔ سید العلماء کے والد ماجد ممتاز العلماء مولانا ابوالحسن عرف مُمّن صاحب قبلہ مولوی سید حسین صاحب علیین مکان کے پر پوتے اور والدۂ ماجدہ سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب قبلہ رضوان مآب کی نواسی تھیں اس طرح سید العلماء مرحوم کی ذات گرامی نسل حضرت غفران مآب کی "مجمع البحرین" تھی۔ انھوں نے اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت نیز موروثی حق شناسی و حق کوشی پر علم و عمل کی اکتسابی تابانیوں سے جلا دیکر صغیر ہند و پاک میں فقہ و اصول فقہ تفسیر قرآن فہمی عقائد شناسی و علم کلام۔ ذاکری و خطابت میں وہ بلند مقام حاصل کر لیا جس پر نہ اُن کا کوئی ہمعصر پہونچ سکا نہ مستقبل قریب میں کسی کے پہونچنے کا امکان ہے۔ انکی تحریر و تقریر دونوں کی یہ امتیازی خصوصیت تھی کہ وہ انسان کے ذہن کو جھنجوڑتے تھے اور مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے چھوٹے چھوٹے مگر معنی خیز جملوں میں ایسے دلائل و براہین پیش کرتے تھے کہ عقل سلیم انھیں ماننے پر مجبور ہو جائے۔ انکا یہی استدلالی رنگ پیش نظر مقالے میں بھی جھلکتا ہے جسمیں اصول دین۔ فروع دین۔ عقائد کا انسانی کردار اور معاشرے پر اثر۔ مذہب شیعہ کے خصوصیات۔ عملی ارکان و احکام شرع۔ اصول عملیہ۔ اجتہاد و تقلید۔ نجاسات و مطہرات اور تعلیمات و واقعات کربلا سادہ اور مختصر عنوان سے اسطرح پیش کیئے گئے ہیں کہ شیعی عقائد کو سمجھنے والا ہر انسان استفادہ حاصل کر سکے۔ خدا ہم سب کی توفیقات میں اضافہ کرے اور ہم اپنے عقائد کو دلوں کی گہرائیوں میں اس طرح جگہ دیں کہ ہم میں احساس عمل پیدا ہو اور دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہو۔ آمین۔"

مُرتضیٰ حسین

(ریٹائرڈ جج الہ آباد ہائی کورٹ، ریٹائرڈ لوک آیکت، اُتر پردیش)

"المرتضیٰ" بدری ناتھ روڈ، گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہ الطاہرین۔

شیعیت کیا ہے؟

دینِ اسلام کو اُس کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کے ساتھ اختیار کرنا۔

اسلام کے معنی ایک "سر نہادن بطاعت" کے ہیں اور دوسرے "سپردن"۔ یہ دونوں باتیں کس کے لیے؟ اللہ کے لئے۔ اسی کو دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومتِ الٰہیہ کو اُس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جس کے لئے حاکم اور اُس کے مرتب کردہ نظام کی معرفت ضروری ہے۔ یہ "اُصولِ دین" ہیں۔ اور پھر اُس نظام کے قواعد و ضوابط کو معلوم کر کے اُن پر عمل ہے۔ یہ پابندیٔ شریعت ہے جس کے خاص ارکان کو "فروعِ دین" کہتے ہیں۔

یہ عقائد وہ ہیں جو عمل کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو عقیدہ پر چلا کرتے ہیں۔

جامع لفظ سے تعبیر کرنا چاہیں تو برابر کے دو جز رہیں "حق شناسی" و "فرض شناسی"۔ اسی کو وسعت دی جائے تو عقائد و اعمال کی پوری دنیا آجائے اور انہی کے ماننے اور برتنے کا نام ہوگا "حقیقی اسلام" اور "شیعیت" جس کی تفصیل مجمل طور پر یہ ہے:۔

اصولِ دین

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوّت (۴) امامت (۵) معاد

اب ان میں سے ہر ایک کی کسی حد تک تشریح پر نظر ڈالئے۔

توحید

یہ ایک جامع عنوان ہے جس کے تحت میں حسب ذیل حقیقتیں مضمر ہیں:۔

(۱) حدوث عالم۔ یعنی دنیا اور آسمان کی ہر چیز نا بود تھی۔ ہوا، پانی، آگ، زمین، چاند، سورج اور ستارے، کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو ہمیشہ موجود ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی جن سے اس تمام دنیا میں مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں وہ بھی قدیم یعنی ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ان میں حرکت موجود ہے اور حرکت کا ہونا خود زوال اور تغیّر کی نشانی ہے۔

(۲) خالق کا وجود۔ جب یہ تمام کائنات ہمیشہ سے وجود نہیں رکھتی،

تو ضرور اُس کا کوئی وجود میں لانے والا ہے۔ اُسی کو خالق کہتے ہیں۔

(۳) خالقِ کُل جو ہے وہ سراسر "ہستی" ہے اس لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بھی اسی دنیا کا جزو ہو اور اُس کے واسطے بھی کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہو۔

(۴) خالق نے اس دنیا کو ارادہ و اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے کہ اُس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور ایک خاص انتظام نظر آتا ہے جو کسی بے شعور اور بے حس قوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

(۵) کمالِ ذات مستغنی از صفات۔ یعنی خدا کو سراسر "ہستی" ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ اُس کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہو کیونکہ نقائص اور خرابیاں سب "نیستی" کے پہلو سے پیدا ہوتی ہیں اور خدا کی ذات میں نیستی کا گزر نہیں۔ تمام صفات ثبوتیہ و سلبیہ کا خلاصہ اتنا ہی ہے۔ نہ یہ کہ اُس میں علاوہ ذات کے کچھ صفتیں ہوں اور خدا ذات اور صفات کے مجموعہ کا نام ہو جس طرح عیسائی اُسے ایک ہوتے ہوئے تین مانتے ہیں۔ یہ تصور توحیدِ خالق کے خلاف ہے اور تعلیم اہلبیت کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

(۶) کمالِ ذات کے تقاضے جنھیں صفاتِ ثبوتیہ کہا جاتا ہے۔

۱۔ قدیم یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ کوئی اُس کی ذات سے جداگانہ صفت نہیں ہے بلکہ اُس کے سراسر "ہستی" ہونے ہی کا

تقاضا ہے کہ وہ "واجب الوجود" ہو یعنی اُس کی ذات کے لئے "نیستی" ممکن ہی نہ ہو اور جو واجب الوجود ہو وہ ضروری اصطلاحی معنی کے لحاظ سے "قدیم" ہی کی لفظ سے یاد کیا جائے گا کیونکہ "حادث" تو وہ ہوتا ہے جو "نیستی" کے بعد "ہست" ہوا ہو اور یہ وہی ہوگا جس کی ذات سے "ہستی" الگ ہو مگر جہاں "ہستی" ذات سے جدا ہو ہی نہ، اُس میں نیستی کا شائبہ کہاں ممکن ہے لہٰذا اُسے یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۲۔ قادر یعنی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے اور کسی امر میں بے بس نہیں کیونکہ عاجزی نقص ہے اور قدرت کمال اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ اُس کی ذات کامل ہی کامل ہے، ناقص نہیں ہے۔

بے شک محال یعنی غیر ممکن چیزوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ اُن سے خدا کی قدرت کا تعلق ہو لیکن اس سے خدا کی ذات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

۳۔ عالم۔ یعنی وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اس لئے کہ جہالت نقص ہے اور خدا کی ذات ہر نقص سے بری ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی بات ہر ایک خداوندِ عالم کے علم میں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اُس کے علم میں کبھی تغیر نہیں ہوتا اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی امر کو پہلے نہ جانتا ہو پھر اس سے واقف ہو اور اس لئے اس کے افعال میں ندامت

اور پشیمانی کا گزر نہیں ہے۔

۴۔ وہ قدرت اور علم کا مالک ہے۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

۵۔ اُس کے صفات ثبوتیہ میں مُدرِک ہونا بھی ہے۔ اس کے معنی صحیح طور پر یہی ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا جو احساس سے متعلق ہیں، جاننے والا ہے جس طرح مسموعات یعنی آوازوں کے جاننے کی بنا، پر سمیع اور مُبصرات یعنی دیکھنے کی چیزوں کے جاننے سے بصیر ہے۔ یہ عالم ہونے کے مفہوم کے شعبے ہیں۔ الگ الگ صفتیں نہیں ہیں۔ نہ یہ سمجھنا صحیح ہے کہ خدا کے جسمانی طور پر آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۶۔ قدرت کو علم مصالح کے مطابق صرف کرنے کی بنا، پر وہ مُرید ہے یعنی ارادہ کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کارِہ ہے یعنی جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔

۷۔ اُس کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ زبان و دہن سے کلام کرتا ہو بلکہ اپنی قدرت سے اپنے علم کے مطابق جب چاہتا ہے اپنی طرف نسبت کے ساتھ کلام پیدا کر دیتا ہے۔

۸۔ نقائص سے کلیتہً بَری ہونا۔ اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں اُنھیں صفات سلبیہ سمجھنا چاہیئے۔ اس میں چند باتیں جو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ہیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ خدا کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اصل توحید ہے۔ اس کا ثبوت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا کامل "وجود" ہے۔ اگر اُس کے ساتھ دوسرے کی ضرورت ہو تو وہ کامل نہ رہے گا، ناقص ہو جائے گا۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دو کی طاقت کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہیں ہے تو دوسرا بیکارِ محض ہے اور اگر زیادہ ہے تو ہر ایک ناقص اور محدود ہے اور خدائی کے قابل نہیں ہے۔

۲۔ خدا مرکب نہیں ہے یعنی اُس کے اجزار نہیں پائے جاتے کیونکہ اس صورت میں وہ اُن اجزار کا محتاج ہوگا اور اجزار اُس سے مقدم ہوں گے۔ لہٰذا وہ سب کا پیدا کرنے والا نہیں قرار پا سکے گا۔

۳۔ خدا جسمیت نہیں رکھتا کیونکہ ہر جسم کا مرکب ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ خدا مرکب نہیں ہے۔

۴۔ خدا کسی مکان اور سمت میں نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محدود ہو جائے گا اور محتاج قرار پائے گا اور اُس کی ذات پابندی و احتیاج سے بری ہے۔

۵۔ حلول و اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسرے میں ہو کر پائی جائے اس طرح کہ اُس کی صفت بن جائے جیسے رنگ و بو پھول میں یا دو چیزیں اس طرح ایک ہو جائیں کہ ایک کی طرف اشارہ عین دوسرے کی طرف اشارہ قرار پائے۔ خدا کی ذات اس سے بالکل بری ہے کیونکہ اُس صورت میں وہ محتاج اور محدود ہو جائے گا اور

ناقص کے ساتھ یکساں بلکہ ایک ہو کر خود بھی ناقص ہو جائے گا۔

۶۔ وہ مرئی نہیں ہے۔ یعنی آنکھوں سے دیکھنا اُس کو غیر ممکن ہے کیونکہ آنکھوں سے وہی چیز دیکھی جاتی ہے۔ جو سامنے ہو اور رنگ شکل رکھنے والا جسم ہو۔

خدا نہ جسم ہے۔ نہ رنگ و شکل رکھتا ہے۔ نہ کسی خاص سمت میں محدود ہے اس لئے اُس کے دیدار کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔

۷۔ اُس کی ذات میں تغیرات کا ہونا اور حالتوں میں تبدیلی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ پیدا ہونے والی حالت اگر کمال ہے تو اُس کی ذات سے جُدا نہیں ہے اس لئے ہمیشہ سے یہ کمال ثابت ہوگا اور اگر کمال نہیں ہے تو اُس کی ذات سے اُس کا تعلق نہیں ہو سکتا۔

بے شک اُس کے افعال دنیا میں مصالح کے مطابق مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مصلحتوں کی تبدیلی سے اُن میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ انھی کو "بداء" کہا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام تبدیلیوں کا علم اُس کو ہمیشہ سے ہوتا ہے اس لئے نہ وہ علم کے تغیر کا سبب ہیں اور نہ پشیمانی و ندامت کا نتیجہ۔

۸۔ خدا کی ذات سے علاوہ صفتیں نہیں ہیں اس لئے کہ اگر خدا کی صفتیں ذات کے علاوہ ہوں تو خود ذات کمال سے خالی ہوگی اور صفتوں کی محتاج ہوگی۔ پھر اُس کو ان صفتوں سے متصف ہونے

کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت ہوگی تو خدا کی ہستی اپنے کمال میں غیر کی محتاج ہو جائے گی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیر اُس سے مقدم ہوگا اس طرح توحید کا جو اصل اُصول ہے قلع قمع ہو جائے گا۔

عدل

خدا کے افعال سب حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ وہ کوئی بُرا کام نہیں کرتا اور نہ کسی ضروری کام کو ترک کرتا ہے۔ اُس میں حسبِ ذیل باتیں داخل ہیں:۔

(۱) دنیا کے تمام افعال بجائے خود یا اچھے ہیں یا بُرے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بات کی اچھائی، بُرائی ہماری عقل پورے طور پر نہ سمجھ سکے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقۃً بھی وہ اچھے یا بُرے نہیں ہیں۔ خدا جو کام کرتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ بُرا کام وہ کبھی نہیں کرتا۔ خدا ظلم اور ناانصافی سے بری ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بندوں کو غیر ممکن باتوں کا حکم دے یا ایسے کام کرے جو بالکل فضول ہوں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ تمام باتیں نقص ہیں اور خدا ہر نقص سے بری ہے۔

(۲) خدا نے انسان کو اُس کے افعال میں خود مختار بنایا ہے یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے اپنے ارادہ و اختیار سے کرتا ہے۔ بے شک یہ قدرت خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو

اس قدرت کو سلب کر لیتا ہے لیکن جب وہ قدرت کو سلب کرے تو انسان پر ذمہ داری باقی نہیں رہ سکتی۔ یعنی اُس صورت میں جو کچھ سرزد ہو اُس پر کوئی سزا نہیں دی جا سکتی۔ [۱]

خدا بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔ اچھے کاموں پر وہ انعام عطا کرتا ہے اور بُرے کاموں پر سزا دیتا ہے۔ اگر اُس نے انھیں مجبور پیدا کیا ہو یعنی وہ خود اُن کے ہاتھوں سب کچھ کام کراتا ہو تو احکام نافذ کرنا اور جزا و سزا دینا بالکل غلط اور بے بنیاد ہوگا۔ خدا کی ذات ایسے غلط اور بے جا طرزِ عمل سے بری ہے۔

(۳) خدا کو بندوں کے تمام افعال کا علم ہمیشہ سے ہے لیکن اُس کا علم ان لوگوں کے افعال کا باعث نہیں ہوتا بلکہ چونکہ یہ لوگ ان افعال کو اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں اس لئے خدا کو اُن کا علم ہے۔

(۴) خدا کے لئے عدالت کو ضروری قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ظلم یا فعلِ شر یا عبث پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا کی کامل ذات اور اُس کے علم و قدرت کے لئے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ ظلم و فعلِ شر وغیرہ کا ارتکاب کرے۔ اس لئے ان افعال کا صادر ہونا اُس سے بالکل غیر ممکن ہے۔

---

[۱] جیسے پاگل آدمی (ناشر)

عقیدۂ توحید و عدل کا انسانی معاشرہ پر اثر

توحید سے عالمِ انسانیت کو ایک مشترک نقطہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو سب کا مرکز قرار پائے۔ ہزار در ہزار نسل، وطن، قوم اور رنگ کے تفرقوں کے باوجود دُنیا منسلک ہو جاتی ہے ایک نظام میں اُس ایک ہستی کے اقرار سے جو سب کا خالق اور معبود ہے۔

پھر یہ کہ اس سے انسان میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ مطلق العنان نہیں ہے۔ اگر سب ذاتی خواہشوں کے غلام ہوتے تو ہر ایک کی طبیعت اور خواہش کے اختلاف سے مقصد اور عمل میں اختلاف پیدا ہو سکتا تھا مگر یہ سب ایک حاکم کے فرماں بردار ہیں اس لئے اُن کا آہنگ عمل اور مقصد ایک ہونا چاہیئے۔ یہ حاکم کیسا ہے؟ حاضر و ناظر ہے۔ ہر جگہ موجود ہے اور ہر بات کو جانتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہوشیار رہنا چاہیئے کہ کوئی بات خلافِ قانون بجا نہ لائے۔ کسی کام کو چوری چھپے کرتے ہوئے مطمئن نہ ہو کہ کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ اُسی نے دیکھا ہے جس کے ہاتھ میں جزا و سزا ہے۔

وہ ایک اکیلا ہے۔ کوئی اُس کا مدِ مقابل نہیں۔ اس لئے بس اُسی کی رضامندی کی فکر رہنا چاہیئے اور اُسی کی ناراضگی سے اندیشہ کرنا چاہیئے اُس کی طاقت ہر ایک سے غالب ہے اس لئے ناحق کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو۔ وہ ہر بات پر قادر ہے اس لئے اپنی ناتوانی سے کبھی نا اُمید نہ ہو۔

اس عقیدہ سے ایسی انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس میں ہر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد و مساوات کا احساس رکھتا ہو اور سب ایک نصب العین پر گامزن ہوں۔ سب اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد اور اصول میں فنا کر دیں اور سب اپنے واحد حاکم کی رضامندی کے خلوت اور انجمن ہر حالت میں طلبگار رہیں اور کسی وقت قانون کے احترام کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اس جماعت کے افراد میں خودداری ہو کہ وہ کسی مادّی طاقت کے سامنے سر نہ جھکائیں، بلند حوصلگی ہو کہ کسی دشوار مقصد کو ناممکن نہ سمجھیں اور اعتماد ہو جس سے کبھی اپنے دل میں یاس کا گزر نہ ہونے دیں۔

یہی وہ عناصر ترقی ہیں جو بلند مرتبہ اقوام کے شایانِ شان ہیں۔
عدل کے ماتحت یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اُس کا قانون جو اُس کے تمام کاموں میں جاری ہے وہ عدالت ہے لہٰذا وہ بندوں سے بھی انصاف اور عدالت کا طالب ہے۔ اُس نے ہمیں ایک امانت دی ہے جس کا نام ہے "قوتِ اختیار"۔ ہمیں اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کرنا چاہیئے۔

اس عقیدہ سے اس برادری میں جو انسانیت کے حدود میں قائم کی گئی ہے تبادلۂ حقوق اور انصاف و مساوات کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اس برادری کے افراد ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر دولت و ثروت

یا طاقت واقتدار ہیں جو فوقیت نظر آتی ہے یہ بالکل وقتی ہے اور عارضی۔ خالق کی نگاہ میں ان سب کے لئے ایک قانون ہے کہ بلندی اُن کی کردار سے وابستہ ہے۔ گناہ اگر غریب کرے تو سزا ملے گی اور امیر کرے گا تو سزا پائے گا۔

وہاں اُس کی دولت مندی کچھ کام نہ آسکے گی۔ نہ وہ رشوت دے کر اپنے بچاؤ کا سامان نکال سکے گا۔ اسی طرح اچھا کام اگر امیر کرے گا تو جزا پائے گا اور غریب کرے گا تو جزا پائے گا۔ اُس کی غربت، اُس کی کس مپرسی کا باعث نہ ہو گی۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنے اعمال کی جانچ کی ضرورت پڑتی ہے۔ افراط اور تفریط، اصراف اور کنجوسی سب ظلم ہیں اور ہر چیز میں وسط کا نقطہ، عدالت کا مرکز ہے۔ انسانی کمالات کی دنیا اسی اعتدال کے نقطہ پر مبنی ہے۔

خدا کو عادل سمجھنا، اس اعتدال کی پابندی کا واحد محرک ہے اور اسی لئے جو اس اعتدال پر قائم رہیں اُنھیں عادل کہا جاتا ہے اور سچے مسلمان وہی ہیں جو عدالت کی صفت سے ممتاز ہوں۔

نبوّت

اس کے تحت میں حسب ذیل باتیں ہیں:۔

(۱) انسانی جماعت کو صحیح راستے پر چلانے کے لئے خدا کی جانب سے رہنما اور مصلح مقرر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے اُن کو خداوندی احکام

پہنچتے رہیں اور انتظام خلق درست ہو۔ ان مصلحین کو جو خدا کی طرف سے احکام پہنچانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں نبی اور رسول کہتے ہیں اور انسانوں کی بہبودی کے لئے جو تعلیمات خدا کی طرف سے کسی معلم کے ذریعہ سے آتے ہیں اُن تعلیمات کے مجموعہ کو "شریعت" کہتے ہیں اور وہ رسول کے ذریعہ سے دنیا کو پہنچتے ہیں۔

(۲) انسانی آبادی کا کوئی خطہ اور کوئی طبقہ خدا کی جانب سے رہنمائی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اقوام اور بعض ممالک کے متعلق ہم کو صحیح علم نہ ہو کہ اُن کی کبھی رہنمائی خدا کی طرف سے کن اشخاص سے متعلق تھی لیکن یہ کلیہ بہرحال صحیح ہے کہ ہر قوم کے لئے خدا کی طرف سے رہنما ضرور قرار دیا گیا ہے۔

(۳) انبیاء یعنی خدا کی طرف کے مقرر شدہ مصلحین عملی حیثیت سے دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اس لئے اُنھیں گنہگار نہیں ہونا چاہیئے اور نہ غلطیوں میں مبتلا ہونا چاہیئے۔ نہ بھول چوک میں گناہ کا مرتکب ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا ہو گا تو اُن کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گا اور ایسے اشخاص کا جن سے یہ اندیشہ ہو خدا کی طرف سے مقرر کیا جانا درست نہیں ہے۔

(۴) خدا کی طرف سے مقرر شدہ نبی کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی مخصوص بات ہونا ضروری ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے اور کوئی دوسرا شخص اُس کے مقابلہ میں اُس کی مثال پیش

نہ کر سکے۔ ایسی غیر معمولی بات کو "معجزہ" کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو سچے اور جھوٹے میں کوئی تمیز نہ ہوگی اور ہر شخص نبوت کا دعویٰ آسانی کے ساتھ کر سکے گا۔

(۵) ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ جو دنیا کے سامنے ہمیشہ کے لئے باقی ہے قرآن مجید ہے۔ یہ اُس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی معجزہ تھا اس لئے کہ اُس کی فصاحت و بلاغت انسانی طاقت سے بالاتر تھی اور اب بھی معجزہ ہے اور ہمیشہ معجزہ رہے گا۔

(۶) قرآن خدا کا کلام ہے یعنی وہ رسولؐ کی ذاتی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے اُن کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ وہ پورا رسولؐ کے زمانہ ہی میں متفرق طور پر لکھا گیا تھا۔ بعدِ وفاتِ رسولؐ وہ تمام و کمال کتابی صورت میں جمع ہو گیا۔ نہ اُس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی اور نہ تبدیلی ـــــ ہاں اس کی ترتیب شانِ نزول کے مطابق نہیں ہے۔

(۷) شریعتِ اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر زمانہ کے ضروریات کے لئے مکمل حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس شریعت کے بعد کسی شریعت کے آنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے بعد کسی نبی و رسول کے آنے کا محل رہا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ سب سے آخری رسولؐ ہیں اور خود پیغمبرؐ نے بھی بتلایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی و رسول آنے والا نہیں ہے۔

عقیدۂ رسالت کا عملی تقاضا

رسول خدائے احکم الحاکمین کا نمایندہ ہوتا ہے۔ اُس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو رسولؐ کے مقابلہ میں رائے زنی، عقل آرائی اور طبع آزمائی کا حق نہیں ہے۔ نہ اُس کے فیصلہ کے بعد کسی چون و چرا کا موقع۔ اس طرح رسولؐ کے اقتدار کے تحت آپس کی طرفداری، جاہ طلبی، خود غرضی، انانیت، جبروت اور نفسانیت سے پیدا شدہ ہر کشمکش کو جو جماعت کے افتراق کا باعث ہوتی ہے ختم ہو جانا چاہئے اور اسی میں جماعت کی تنظیم اور ترتیب اور تمام افراد کی فرض شناسی کا راز مضمر ہے۔

امامت

چونکہ رسولؐ کی زندگی دارِ دنیا میں محدود ہے اور وہ شریعت جس کی تبلیغ رسولؐ کی زبانی ہوئی ہے اُس کی حفاظت اور نیز افراد ملت کی عملی تربیت اور اُن کو احکامِ شریعت کی صحیح تعلیم دینے کی ضرورت ہے اس لئے رسولؐ کے بعد آپ کا ایک جانشین ہونا ضروری ہے جو تمام افرادِ ملت میں پورے طور پر اُس رسولؐ کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ یہ جانشین امام ہوتا ہے اور یہی رسولؐ کا واقعی خلیفہ ہوتا ہے۔ اس جانشین کا انتخاب خدا کی جانب سے پیغمبر خدا

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہونا چاہیئے اس لئے کہ اگر رسولؐ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عام افراد کو اُن کی رائے، خواہش اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو مطلق العنانی اور خود غرضی برسر کار آجائے گی جس کا نتیجہ افتراق و انتشار و ابتری کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا اور اس طرح جو شیرازہ پیغمبرِ خداؐ کی اطاعتِ مطلقہ کی بنا پر جمع ہوا تھا وہ بکھر جائے گا۔ امامتِ منصوصہ کا عقیدہ اس اجتماعی انتشار کا سدِباب ہے۔ اس کے تحت میں حسبِ ذیل اُمور ہیں۔

(۱) رسولؐ کے بعد بھی خداوندی قانون پر دنیا کو چلانے کے لئے مرکز موجود رہتا ہے۔

(۲) یہ مرکز ایسا ہوگا جو خود قانون پر عمل کا بہترین نمونہ ہو اس لئے اسے بھی گناہوں اور خطاؤں سے بری ہونا ضروری ہے ورنہ پھر اُس کے ہاتھوں خلقِ خدا کی گمراہی کا امکان ہوگا اور مفادِ امامت ختم ہو جائے گا۔

(۳) اسلام کسی شہنشاہیت کی بنیاد قائم نہیں کرتا بلکہ انسانیت کا نظام بناتا ہے اور ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کا صحیح نمونہ ہو اور اس نظامِ انسانیت کے لئے ایک محافظ قرار دیتا ہے جو تمام انسانوں کا واحد مرکز ہو۔ یہ اپنے زمانہ میں رسول ہیں اور رسولؐ کے بعد اُن کے نامزد کردہ جانشین یعنی امام اور اگر امام براہِ راست راہنمائی کے لئے سامنے نہ ہوں تو ایسے افراد جو اُن کے تعلیمات پر

زیادہ سے زیادہ مطلع اور عالم ہوں۔

(۴) امام کے مقابلے میں کسی کو حکومت کا حق نہیں ہے اور جو حکومت اس طرح کی قائم ہو وہ حکومت غیر شرعی ہوگی۔

(۵) نظریۂ امامت میں صرف قرابت یعنی رسولؐ سے رشتہ داری کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اصل معیار صفات کی بلندی اور اُس کے لحاظ سے خالق کی جانب سے بحیثیت جانشین رسولؐ نامزد ہونا ہے اور اسی لئے محبتِ اہلبیتِ رسولؐ جو نجاتِ آخرت کے لئے ضروری ہے اور بغیر اس کے انسان باایمان نہیں سمجھا جاسکتا یہ اُنھیں ہستیوں کی محبت ہے جو اپنے کردار کے لحاظ سے "معصوم" ہیں اور جنھیں خالق کی طرف سے ہدایتِ خلق اور نیابتِ رسولؐ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

(۶) چونکہ ہدایتِ خلق اور حفاظتِ شریعت کا کام مستقل طور پر قائم ہے۔ اس لئے اس سلسلہ کی کسی فرد کا آخرِ عمرِ زمانہ تک موجود رہنا ضروری ہے اور جب کہ وہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو اُسے پردہ غیبت میں باقی اور برقرار اور اپنے طور پر برسرِکار ماننا ضروری ہے۔

معاد

اس کے تحت میں حسب ذیل اُمور ہیں :۔

(۱) خدا کی طرف سے بندوں کو اُن کے اچھے اور بُرے افعال کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ جو اچھے کام کریں اُنھیں جزا اور جو بُرے کام کریں اُنھیں سزا ملے گی اس لئے کہ خدا عادل ہے اور عدالت کا تقاضا یہی ہے۔

(۲) جزا و سزا کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے "قیامت" کہتے ہیں اُس دن سب مرنے والے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ تاکہ اُنھیں جزا و سزا عطا کی جائے۔

(۳) جزا یعنی اچھے کاموں پر جو انعام کا اعلان ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا لیکن گناہوں پر سزا کا جو اعلان ہے وہ صرف استحقاق کا پتہ دیتا ہے۔ یعنی یہ شخص سزا کے قابل ہے لیکن عفو و کرم کے ماتحت ہو سکتا ہے کہ خدا اُس سے درگزر کر دے۔ اس کا نام "مغفرتِ ذنوب" یعنی گناہوں کی بخشش ہے۔

(۴) ان گناہوں کی بخشش کبھی رسولؐ یا ائمہ دینؑ کی بارگاہِ الٰہی میں عرضداشت سے ہوتی ہے۔ اس کو شفاعت کہتے ہیں۔

اصول دین کا خلاصہ یا اصل جوہر

مذکورۂ بالا اُصولِ دین کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کو مان کر ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوتی ہے جو خدا کی بادشاہت کو تسلیم کرے اور اُسی کے ماتحت اُس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اُس کے نائبین (اولو الامر، یعنی ائمہ معصومینؑ کے احکام پر وفاداری کے ساتھ عمل کرے۔ خالق کی عظمت کے مقابلہ میں کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہ ہو اور اس طرح کسی باطل اقتدار کی بیعت کے لئے تیار نہ ہو اور اقتدارِ الٰہی کے مقابلہ میں خود اپنے ذاتی اختیار اور خود رائی سے کبھی کام نہ لے اور اُس کے مقرر کردہ مرکز سے منحرف نہ ہو اسی کا نام ہے "شیعیت" اور یہی ہے "حقیقتِ اسلام"۔

اُصولِ دین کے نمایاں پہلو یہ ہیں:۔

(۱) خالق کی ذات کو اُس کے شایانِ شان کمال کے ساتھ ماننا اس کا نام توحید ہے۔

(۲) خالق کے افعال کو اُس کی شایانِ شان حکیمانہ رفعت کے ساتھ ماننا یہ عدل ہے۔

(۳) رہنمایانِ دین کو جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں کامل طور پر کردار کی ہر پستی سے اونچا ماننا جس کا نام "عصمت" ہے۔ یہ نبوت کا لازمی جزء ہے۔